ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد ❁

منیر احمد شیخ کے چند غیر مطبوعہ خطوط

A Few Unpublished Letters of Munir Ahmad Sheikh

By *Dr. Arshad Mahmood Nashad, Associate Professor, Department of Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad.*

ABSTRACT

An epistle is a cardinal source of research. Not only it reveals the personality, disposition, likes and dislikes, customs, habits and attitudes of the addresser and addressee but also throws light on their times and backdrop. This is the reason that the letters of literati are considered a research heritage and the students, scholars and researcher are benefitted from them in their scholarly pursuits. Keeping this aspect in view, in this article, a few unpublished letters of short story writer Munir Ahmad Sheikh are being presented. These letters were addressed to famous researcher, palaeographer and poet Nazar Sabri. Many literary and scholarly topics are discussed in these letters and we come to know about the personal and literary relationship of two distinguished writers. The writer has included brief biographical sketches of the two personalities and added footnotes for a better understanding of the letters.

Keywords: Personality, Disposition, Like & Unlike, Letters.

منیر احمد شیخ کا تعلق گجرات کی قانون گو شیخ برادری سے تھا جس کے کُچھ لوگ گوجرانوالہ میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام شیخ بشیر احمد تھا۔ منیر احمد شیخ ۱۵/مئی ۱۹۳۲ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں محبوب عالم ہائی اسکول، گوجرانوالہ سے میٹرک اور ۱۹۵۰ء میں اسلامیہ کالج، گوجرانوالہ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۵ء میں گورنمنٹ کالج، لاہور سے سیاسیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کر کے محکمۂ تعلیم میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۵ء تک وہ فیصل آباد، لاہور اور اٹک کے کالجوں میں سیاسیات کے استاد رہے۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں پبلک سروس کمیشن

❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

کے ذریعے وزارتِ اطلاعات کے بیورو آف نیشنل ریسرچ اینڈ ریفرنس میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر منتخب ہوئے۔ یکم جنوری ۱۹۷۵ء کو آپ کی خدمات وزارتِ خارجہ کو منتقل کر دی گئیں اور آپ کو بون (جرمنی) میں پریس اتاشی مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۲ء تک بھارت میں پریس قونصلر رہے۔ ازاں بعد پاکستان نیشنل سنٹر کے ڈائریکٹر جنرل، وزیرِاعظم کے پریس سیکرٹری اور وزارتِ اطلاعات کے ریسرچ اینڈ ریفرنس کے شعبے کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ کا انتقال اٹھاون سال کی عمر میں ۲۸؍مئی ۱۹۹۰ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے ہوا۔ ایچ ایٹ، اسلام آباد کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔

منیر احمد شیخ اُردو اور پنجابی کے شاعر، افسانہ نگار اور ادیب تھے۔ انھوں نے زمانۂ طالب علمی میں ادب کے ساتھ اپنا تعلق قائم کیا اور وفات تک اس تعلق کو قائم رکھا۔ انھیں موسیقی اور دوسرے فنونِ لطیفہ کے ساتھ بھی اُنسیت تھی۔ پاکستان نیشنل سنٹر کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے انھوں نے ان شعبوں کے لیے بہت کام کیا۔ شاعری، افسانہ اور مضامین کی درجِ ذیل کتابیں اُن کی یادگار ہیں:

- ☆ لمحے کی بات (۱۹۷۰ء)
- ☆ ق سے قلم تک (۱۹۷۶ء)
- ☆ تہذیبی رویّے (۱۹۷۶ء)
- ☆ بہتے پانی میں عکس (۱۹۸۶ء)
- ☆ حرفِ بیاں (۱۹۹۰ء)
- ☆ قصے تیرے فسانے میرے (۱۹۸۹ء)
- ☆ سبھی میرے اپنے روپ (۱۹۹۰ء)

منیر احمد شیخ جب گورنمنٹ کالج، کیمبل پور [حال: اٹک] میں سیاسیات کے استاد تھے، نذر صابری کے ساتھ اُن کا تعلق استوار ہوا۔ صابری صاحب اسی کالج میں کتاب دار تھے۔ یہ تعلق منیر احمد شیخ کے انتقال تک قائم رہا۔ منیر احمد شیخ کے انتقال پر ۲؍جون ۱۹۹۰ء کو محفلِ شعر و ادب کا تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ بعد ازاں ان کی یاد میں ایک بھرپور اجلاس ۶؍مارچ ۱۹۹۱ء کو گورنمنٹ کالج اٹک کی لائبریری میں پروفیسر محمد اسماعیل کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس کا اہتمام بھی محفلِ شعر و ادب نے کیا تھا۔

نذر صابری ماضی قریب کی ایک ممتاز علمی و ادبی شخصیت تھے۔ وہ شاعر، محقق، مخطوطہ شناس اور کتاب دوست انسان تھے۔ نذر صابری کا اصل نام غلام محمد ہے۔ آپ یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد کا تعلق جالندھر سے تھا۔ آپ کے والدِ محترم کا نام مولوی علی بخش تھا جو مولانا نواب الدین رمداسیؒ کے دست گرفتہ تھے۔ نذر صابری نے گورنمنٹ ہائی اسکول جالندھر سے میٹرک، اسلامیہ کالج جالندھر سے بی اے اور پنجاب یونی ورسٹی سے ڈپلوما ان لائبریرین شپ کی تحصیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامیہ کالج جالندھر میں کتاب دار مقرر ہوئے۔ ہندوستان

کی تقسیم کے بعد لاہور آ گئے اور یہاں پنجاب پبلک لائبریری میں اسسٹنٹ کیٹلاگر کی حیثیت سے کام شروع کیا۔ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ کالج کیمبل پور [حال اٹک] میں کتاب دار مقرر ہوئے اور سبک دوشی [۱۹۸۳ء] تک اسی ادارے سے وابستہ رہے۔صابری صاحب نے ۱۹۵۷ء میں محفلِ شعروادب اور ۱۹۶۳ء میں مجلسِ نوادراتِ علمیہ کی بنیاد رکھی۔ان اداروں نے اٹک کے علمی وادبی افق کی تابانی میں اضافہ کیا۔مجلسِ نوادراتِ علمیہ کے زیرِاہتمام مخطوطات کی دو نمائشیں منعقد ہوئیں جنھیں ملک بھر میں قدر کی نظر سے دیکھا گیا۔نذر صابری نے ولی دکنی کے معاصر، اٹک کے اولین اُردو و فارسی شاعر شاکر اٹکی کا ''دیوان'' شائع کیا۔شیخ محمود اشنویؒ کی کتاب ''غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان'' کو پہلی بار اصل مصنّف کے نام کے ساتھ شائع کیا۔اس سے قبل یہ کتاب عراقی اوردوسرے صوفیہ کے ساتھ منسوب رہی۔ نذر صابری کی دیگر تصانیف وتالیفات میں ''قصہ مشائخ'' (محمد زاہد اٹکیؒ)، ''انتخابِ دیوانِ ظفر احسنؔ''، ''ارمغانِ اٹک''، ''آفتابِ شوالک''، ''لذتِ آشنائی''، ''ظوائرٗ'' اور ''واماندگیِ شوق'' شامل ہیں۔نذر صابری ۱۱ر دسمبر ۲۰۱۳ء کو راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

منیر احمد شیخ اور نذر صابری کا دوستانہ اور برادرانہ تعلق چالیس پینتالیس سال کے طویل عرصے پر محیط ہے۔ وہ گورنمنٹ کالج کیمبل پور [اٹک] میں رفیقِ کار رہے۔منیر احمد شیخ کے اٹک سے تبادلے کے بعد دونوں کے درمیان رشتۂ مراسلت قائم ہوا۔ زیرِنظر مضمون کے ذریعے منیر احمد شیخ کے چھے غیر مطبوعہ خط بہ نام نذر صابری پیش کیے جا رہے ہیں۔یہ خطوط علمی حوالے سے قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ان خطوں کی مدد سے منیر احمد شیخ اور نذر صابری کی علمی زندگی کے کچھ واقعات اور احوال سامنے آتے ہیں جو ان شخصیات پر کام کرنے والوں کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔راقم نے ان مکاتیب پر مختصر حواشی کا اضافہ کیا ہے، یہ حواشی متنِ مکاتیب کی تفہیم میں معاون ہیں۔

— ۱ —

۱۴۹۔راوی پارک

راوی روڈ، لاہور

۲۸ر ستمبر ۱۹۶۲ء

مکرّمی ومحترمی! سلامِ مسنون۔

محبت نامہ آپ کا ملا۔تحریر کی لذت کچھ ایسی تھی جیسے دودھ میں شہد گُھلا ہوا ہو۔ایسے پیارے خط میری قسمت میں بہت ہی کم ہیں۔اسے میں نے اُن خطوط میں رکھ دیا ہے جو میرے مرنے کے بعد گھر سے نکلیں گے۔ چودھری صاحب! (اور آپ کو چودھری کہتے ہوئے مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے، آپ کی طبیعت کی نرمی اور گداز روایتی ''چودھری'' سے لگّا نہیں

کھاتے[۱] کیا عرض کروں؟ اپنے چند مہینوں کے قیام میں جہاں میرے حصے میں تلخیاں زیادہ آئیں، وہاں کچھ ایسی روشن یادوں کے چراغ بھی ٹمٹما رہے ہیں جو میرے ماضی کا سرمایہ ہیں۔ وہ چند لوگ جن سے خوشبو آتی تھی، ان میں آپ بھی تھے۔ یہ الگ بات کہ ہم بہت دیر تک اکٹھے نہ بیٹھ سکے۔

جی ہاں میں نے شکایت میں کچھ جلد بازی کی تھی۔ یہ جلد بازی تھی یا بے تابی؟ اس کا فیصلہ میں آپ ہی کے اوپر چھوڑتا ہوں اور آپ سے مجھے ہمیشہ انصاف کی توقع رہی ہے۔

پتا نہیں دوسرے احباب کس طرح سوچتے ہوں گے، مجھے تو اب ان کی کمی بے حد محسوس ہوتی ہے۔ عام طور پہ ہوتا تو یہ ہے کہ آپ جس کو چے کو چھوڑ آئے، وہاں کے باسی بھول کے آپ کا نام نہیں لیتے۔ لیکن میں تو ان درودیوار پہ کچھ ایسے نقش چھوڑ آیا ہوں جن کو ذہن سے محو نہیں کرسکتا۔

عنایت ملک[۲] ان دنوں کہاں ہے؟ معذرت چاہتا ہوں، میری مراد عنایت الٰہی ملک ''ایم اے'' سے تھی۔ جس روز سے انھوں نے ایم اے کیا ہے، اسی دن سے لا پتا ہیں۔ اگر مل جائیں تو کہیے کہ ''بیٹا جلد گھر واپس آجاؤ اور ہو سکے تو ایم اے کی ڈگری وہیں چھوڑ آؤ، جہاں سے لی تھی۔ تمھارے دوست تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے۔''

عثمان صاحب[۳] سے بہت کم ملاقات ہوتی ہے۔ اتنے بڑے کالج میں ایک دوسرے کو ڈھونڈ لینا بھی کارِدارد ہے۔

وحید[۴] جاوید[۵] اور اختر[۶] کو سلام کہیے۔ افضل صاحب[۷] اور عارف صاحب[۸] کا خط آج ہی ملا ہے۔ اچھا اب اجازت چاہتا ہوں۔

والسلام
فقط آپ کا تابعدار
منیر

— ۲ —

منیر احمد شیخ
سفارت خانۂ پاکستان، نئی دہلی
۲۰/اگست ۱۹۸۰ء

مکرّمی و محترمی غلام محمد صاحب!

سلامِ نیاز۔ مدّتوں بعد آپ کا نامہ دیکھ کر یقین نہ آیا کہ سرزمینِ اٹک کے کسی تنہا گوشے میں، میں یادوں کی صورت میں ابھی زندہ ہوں۔ آپ نے یاد نہیں فرمایا، مجھے پھر سے زندہ کر دیا کہ وقت کی دھول سے اٹی ہوئی زندگی میں

اب دفینے زیادہ ہیں اور پھول کم۔ آپ کا خط پھولوں کی بارش تھی۔

میں قریباً پانچ برس جرمنی میں گزارنے کے بعد اب اُس شہر میں وارد ہوا ہوں کہ جسے دِلّی کہتے ہیں۔ وہ دِلّی کہ جس کے بارے میں بچپن سے سُن رکھا تھا کہ:

دِلّی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصوّر تھے

اب اسی دِلّی میں اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہے۔ اب آپ کو سٹیشن سے لے کے بازاروں تک میں کہیں اُردو کا کوئی سائن بورڈ بھی نظر نہ آئے تو آپ کیا سمجھیں گے کہ کہاں پھر رہے ہیں؟ پس وہ دِلّی جو سُن رکھا تھا، وہ مرحوم ہوا اور اب ایک نیا شہر ہے کہ جس کے خدّوخال بھارت ماتا کی چھاپ لیے ہوئے ہیں۔

آپ نے کتابوں کے بارے میں لکھا ہے تو عرض یہ ہے کہ ان کا حصول تو مشکل نہیں البتہ ان کی ترسیل کا ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں۔ یہاں سے ڈپلومیٹک بیگ ہفتے میں ایک مرتبہ دفترِ خارجہ کو جاتا ہے جس میں پرائیویٹ کتابیں نہیں بھیجی جاسکتیں۔ اگر ایک آدھ دفعہ ایسا کر بھی لیں تو پھر دفترِ خارجہ سے مطلوب الیہ کیسے پہنچیں؟ یہ مسائل ہیں جن کی بنا پر کتابوں کا بھیجنا ایک کٹھن مرحلہ بن گیا ہے۔ یہی ممکن ہے کہ کسی آتے جاتے کے ہاتھوں یہ چیزیں بھجوائی جائیں۔ بہرحال آپ اہم کتابوں کی فہرست تو ضرور بھیجیے میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ وہ آپ کو مل جائیں۔

اب کُچھ اپنے یہاں کا احوال بھی بتلایئے؟

افضل صاحب کیسے ہیں؟ انھیں دیکھے بھی صدیاں بیت گئی ہیں۔ اُن کی محبت اور تپاک البتہ اُنھی کی ذات کی طرح تروتازہ ہے۔ عزیزم (اب پروفیسر) اختر کس حال میں ہے؟ میرے وقت کے لوگوں میں سے جو جو بھی موجود ہوں، اُن کی خدمت میں میرا سلام کہیے گا۔ کتابوں کی فہرستیں اگلی ڈاک میں بھجوا رہا ہوں۔ یادآوری کا دوبارہ شکریہ قبول فرمایئے۔

والسلام

فقط دُعا گو

منیر

— ۳ —

منیر احمد شیخ

سفارت خانۂ پاکستان، نئی دہلی

۲۴۔ مارچ ۱۹۸۱ء

برادرم غلام محمد صاحب!

سلامِ مسنون۔ مدّت بعد آپ کے خط کا جواب دے رہا ہوں۔

ہوئی　تاخیر　تو　کچھ　باعثِ　تاخیر　بھی　تھا

دہلی میں سرکاری وغیر سرکاری ذمہ [ذمّے] داریوں سے عہدہ برا ہونا اپنی جگہ ایک کارِ دارد ہے۔ آپ یقین کیجیے گا کہ خواہش اور کوشش کے باوجود آپ اور آپ جیسے دوسرے کئی عزیز دوستوں کے خطوط جو محبت ناموں کی شکل میں آئے تھے، اب تلوار بن کر سر پر لٹک رہے ہیں۔ آپ معاف فرمائیے گا کہ میں جلد جواب نہ دے سکا مگر آپ نے جو کام میرے سپرد فرمائیں[فرمائے] ہیں حتی الامکان اُنھیں پورا کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔

''غایۃ الامکان''[۹] کی پانچوں کا پیاں حسبِ ارشاد اُن پتوں پر پہنچا دی گئی ہیں، جن کے نام آپ نے درج فرمائے تھے۔ البتہ اس عرصے میں مولانا عرشی رام پوری[۱۰] کا انتقال ہو گیا۔ ان کی کاپی یہاں اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو دے رہا ہوں۔

میری رائے کا آپ کیا انتظار فرمائیں گے؟ میں نہ تین میں نہ تیرا میں۔ البتہ جو کچھ محسوس ہوا، اُسے لکھنے کی کوشش ضرور کروں گا تاکہ آپ کہیں مجھ پہ بے اعتنائی کا الزام نہ رکھ دیں۔

خدابخش لائبریری[۱۱] والا کام کروانے کی کوشش کروں گا۔ مائیکروفلم یا فوٹو سٹیٹ پہ یہاں کافی خرچ اُٹھ جاتا ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ کس حد تک ہمارے بس میں ہے۔

آپ سنائیے کیا حال ہیں؟ کالج کیسا چل رہا ہے؟ خدا کا شکر کیجیے، آپ گوشہ نشینی میں سکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہمارے بھی وہی دن سنہرے اور روشن تھے جب ہم ''نوکر'' نہیں تھے۔

برادرم افضل صاحب کی دو سطروں نے وہی کام کیا جو کھڑے پانی میں پتھر پھینکنے سے ہوتا ہے۔ ان دو سطروں نے ماضی کی یادوں کے کئی دائرے پیدا کر دیے اور ہر دائرہ افضل صاحب کے خلوص و پیار [خلوص اور پیار] پر آن کر ختم ہوتا تھا۔ اُنھوں نے ایک سال کی رفاقت میں عمر بھر کے لیے اپنے نقش چھوڑ دیے۔ میری اور میری بیوی کی جانب سے ان کی اور بھابھی کی خدمت میں بہت سلام اور ڈھیروں پیار دیجیے۔

عزیزم اختر کا کیا حال ہے؟ اور باقی دوست اور ساتھی؟ احمد وحید اختر؟ یہ کہنے کو شاگرد تھے مگر دوست تھے اور دلِ دردمند رکھتے تھے! ملیں تو میرا اسلام کہیے گا۔ زیادہ دعائیں، فقط۔

طالبِ خیریت

منیر

— ۴ —

Information Section
Embassy of Pakistan
New Delhi

۳؍جولائی ۱۹۸۱ء

جنابِ محترمی ومکرّمی غلام احمد صاحب![۱۲]

سلامِ مسنون۔ آپ کا ارسال کردہ خط بہ تاریخ ۳؍فروری ۱۹۸۱ء بمع [مع] ۵ کاپیاں ''غایۃ الامکان فی [معرفتہ] الزمان والمکان'' ملا۔ حسبِ خواہش ہم نے ان کو مندرجہ ذیل اشخاص/ اداروں کو بھجوادیا تھا۔

۱۔ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی۔

۲۔ ناظم کتب خانہ، دارالعلوم، دیوبند۔

۳۔ ناظم کتب خانہ، رضویہ بریلوی

۴۔ مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ۔

۵۔ لائبریری پاکستان ایمبیسی، نئی دہلی۔

۲۔ کتاب ہم نے بھی دیکھی ہے، کافی مفید ہے، اس کی علمی اہمیت بے حد زیادہ ہے۔

۳۔ آپ کی فرمائش کے مطابق ہم نے خدا بخش لائبریری، بانکی پور پٹنہ [کو] لکھا تھا کہ ایک قدیم نسخہ اس کتاب کا اُن کے پاس موجود ہے اور اس نسخہ [نسخے] کی مائیکروفلم کر [بنا] کے آپ لوگوں کے لیے بھجوا دیں۔ اخراجات کے بارے میں بھی لکھا تھا کہ ہم لوگ اس کا انتظام کر دیں گے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ''غایۃ الامکان'' کا نسخہ مائیکروفلم کر کے اس شرط پر دے سکتے ہیں کہ ایک تو درخواست سکالرز یا ادارے کی طرف سے ہو، دوسرے یہ کہ آپ کا ادارہ اپنی کتاب اس نسخہ [نسخے] کے بدلے میں خدا بخش لائبریری کو باقاعدگی کے ساتھ بھجوایا کرے۔ انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ مکمل کتاب عرصۂ دراز ہوا تہران سے ''رسائلِ شاہ نعمت اللہ''[۱۳] کے توسّط سے شائع ہو چکی ہے۔ فقط:

دعا گو

منیر احمد شیخ

کونسلر پریس

جناب غلام احمد [محمد] صاحب

لائبریرین گورنمنٹ کالج، کیمبل پور (پاکستان)

— ۵ —

اسلام آباد

۱۴/اپریل ۱۹۸۳ء

مکرّمی ومحترمی غلام محمد صاحب!

سلامِ نیاز۔ آپ کا خوب صورت اور پُرتپاک خط ملے آج کئی روز ہورہے ہیں۔ فوراً جواب یوں نہ دے سکا کہ خط ملنے کے ساتھ ہی مجھے لاہور جانا پڑ گیا۔ پرسوں جب واپس لوٹا تو حکم ہوا کہ Boss کی غیرموجودگی میں دفتر کا چارج سنبھالنا ہے۔ میں پینترے باندھ رہا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے اور درمیاں میں یہ ناگزیر مجبوری آ گئی۔ اسی سوچ میں رہا کہ آپ کو کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔

پھر ظہیر خان[۱۴] اور عزیز بھٹی صاحب[۱۵] نے بھی فون پر آپ کی طرف سے پوچھا۔ سچ بات یہ ہے کہ آپ جس قدر محبت کرتے ہیں اور عزّت کی جگہ دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ کر کے ہی خوف زدہ ہو جاتا ہوں کہ اس محبت کا جواب کہاں سے لاؤں گا۔ میں تو انتہائی بے مایہ اور خالی آدمی ہوں۔ مجھے پورا اندازہ ہے کہ آپ نے کس جذب وشوق سے مجھے اپنے یہاں بلایا اور پھر جلسے کے انتظامات کیے۔[۱۶] میں اِس کی تلافی ضرور کروں گا اگر زندگی نے مہلت دی۔

امید ہے آپ اپنی روایتی فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے مجھے معاف فرمائیں گے۔ بے حد شرمندہ ہوں۔ احباب کی خدمت میں سلام دیجیے گا۔ افضل صاحب اور احمد وحید اختر صاحب کیسے ہیں؟

فقط دعا گو

منیر احمد شیخ

— ۶ —

منیر احمد شیخ Munir Ahmad Shaikh

۱۴/ مارچ ۱۹۹۰ء

مکرّمی ومحترمی!

سلامِ نیاز۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ بہ وجوہ ضروری وغیرضروری وجوہات[کذا] کے جلد جواب نہ دے سکا، جس کے لیے جواب میں ذرا تاخیر ہوگئی۔ اُمید ہے آپ اس سے درگزر فرمائیں گے۔

محترم دوست ومحسن جناب پروفیسر افضل صاحب کے ’’رخصتانے‘‘[۱۷] پہ موجود ہونا اور اس کے لیے آپ کے ’’آستانے‘‘ پہ حاضر ہونا میرے لیے یقیناً باعثِ افتخار ہوگا۔ آپ مجھے تاریخ اور وقت سے مطلع فرما دیجیے کم از کم ایک

ہفتہ پیش تر، تاکہ میں اسی کے مطابق پروگرام ترتیب دے سکوں۔ ان کے بارے میں، میں وہاں ضرور کچھ پڑھنا پسند کروں گا۔ افضل صاحب کی خدمت میں میرا اسلام دیجیے گا۔ زیادہ دعائیں۔

والسلام
فقط طالبِ خیریت
منیر

حواشی وتعلیقات

۱۔ نذر صابری صاحب کسی خاندانی نسبت کے باعث ''چودھری'' نہیں تھے۔ اُن کے مرشدِ گرامی حضرت مولانا نواب الدین رمداسیؒ انھیں پیار سے ''چودھری'' کہتے تھے۔ شیخ کا عطا کردہ یہ نام زندگی بھر کے لیے اُن کی شناخت بن گیا۔

۲۔ شاعر، افسانہ نویس، مترجم اور موسیقی کے معروف ناقد عنایت الٰہی ملک کا شمار گورنمنٹ کالج، کیمبل پور [حال: اٹک] کے معروف طلبہ میں ہوتا ہے۔ اُن کے والدِ گرامی پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی ملک اسی کالج میں استاد رہے۔ عنایت الٰہی ملک کا بچپن اپنے والد کے ساتھ نیروبی میں گزرا۔ عنایت الٰہی ملک نے ۱۹۵۵ء میں گورنمنٹ کالج، اٹک سے گریجوایشن اور ۱۹۵۷ء میں لا کالج، لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ جامعۂ پنجاب سے ایم پی اے اور کیلی فورنیا سے ایم بی اے کی تعلیم حاصل کی۔ ملازمت کے بعد آر سی ڈی میں ملازمت اختیار کی۔ مجلّہ ''کرن'' کے مدیر رہے۔ وفاقی محتسب سیکریٹریٹ میں ڈائریکٹر جنرل کے منصب سے سبک دوش ہوئے۔ طالب علمی کے زمانے میں شیدا تخلص کرتے تھے۔ عنایت الٰہی ملک کا شمار موسیقی کے معروف ناقدین میں ہوتا ہے۔ اُن کی تصانیف میں ''راگ رنگ''، ''سُر سنگیت'' [بہ اشتراک]، ''برصغیر کی موسیقی: جنگِ آزادی سے پہلے اور بعد''، ''پت جھڑ کی سلطنت''، ''ہیمنگ وے: فن، شخصیت اور افسانے''، ''پاکستان میں انتظامیہ کا زوال''، *Exective Development in Pakistan, An Ombudsman for Pakistan, Singer not the song, Private life of Ragas* شائع ہو کر خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں جب کہ ''گئے دنوں کا سراغ'' (افسانے)، ''منزل منزل دل بھٹکے گا'' (سفرنامہ) اور ''سفرنامۂ لبنان، ترکی، امریکا اور چین'' زیرِ اشاعت ہیں۔

۳۔ معروف اقبال شناس اور ماہرِ تعلیم۔ پروفیسر محمد عثمان ۱۹۲۲ء کو انبیر سنگھ پورہ (جموں) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے ایم اے اُردو کرنے کے بعد اسلامیہ کالج، لاہور، گورنمنٹ کالج، کیمبل پور [حال: اٹک]؛ گورنمنٹ کالج، لاہور اور دوسرے کالجوں میں اُردو کے استاد رہے۔ ڈگری کالج باغبان پورہ، لاہور اور سنٹرل ٹریننگ کالج کے پرنسپل بھی رہے۔ ۲۰رجون ۱۹۸۷ء کو لاہور میں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں ''حیاتِ اقبال کا جذباتی دور''، ''اقبال کا فلسفۂ خودی''، ''اسلام پاکستان میں، اسلامی سوشل ازم: نئے تعلیمی تقاضے''، ''فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو'' (ترجمہ) اور ''ثقافت کے مسائل'' شامل ہیں۔

۴۔ وحید سے مراد شاعر اور سیاست دان احمد وحید اختر ہیں۔ احمد وحید اختر ۳رجنوری ۱۹۴۰ء کو اٹک میں شیخ فضل کریم اختر کے ہاں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج اٹک سے گرایجویشن کے بعد ۱۹۶۵ء میں جامعۂ پشاور سے سیاسیات میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ احمد وحید اختر پیپلز پارٹی کے اساسی اراکین میں شامل ہیں۔ ان کا شمار ذوالفقار علی بھٹو کے بااعتماد اور قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں سینیٹر اور ۱۹۷۷ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۳رجون ۱۹۸۸ء میں کینسر کے مرض میں وفات پائی۔ احمد وحید اختر اعلا ادبی ذوق کے مالک تھے۔ ان کی شاعری جو مختلف رسائل میں شائع ہوئی، فکر و فن کے اعتبار سے پختگی کی عکاس ہے۔ افسوس کہ اُن کا کلام کتابی صورت میں جمع نہ ہو سکا۔

۵۔ جاوید سے مراد جاوید گلزار ہیں جو بریگیڈیئر گلزار احمد کے صاحب زادے تھے۔ کالج کے زمانے میں وہ اچھے اتھلیٹ شمار ہوتے تھے۔ وہ کالج ہاسٹل میں اقامت پذیر رہے۔

۶۔ نفسیات کے معروف استاد ڈاکٹر اختر قریشی مراد ہیں۔ اختر قریشی کا تعلق پوڑ میانہ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک سے ہے۔ آپ یکم جون ۱۹۴۲ء کو پوڑ میانہ میں عبدالشریف قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج، اٹک سے گریجوایشن کے بعد لاہور سے نفسیات میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔ فلوریڈا سے Personality Profile Of a Cardiac Patient کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد نفسیات کی تدریس سے وابستہ ہوئے۔ اٹک، حیدر آباد کے کالجوں میں کچھ عرصہ پڑھانے کے بعد گورنمنٹ کالج، لاہور سے وابستہ ہوئے۔ ترقی کر کے صدرِ شعبہ کے منصب تک پہنچے اور ۱۹۹۸ء میں قبل از وقت سبک دوشی اختیار کی۔ اختر قریشی تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف اور ترجمہ کے ساتھ بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے کئی کتب اور مقالات تحریر کیے۔ آپ کی مطبوعہ تصانیف و تراجم میں ''شخصیت کے نظریات''، ''مؤکل مرکزی طریقِ علاج'' از کارل روجرز (ترجمہ)، ''لنارڈو ڈی ونچی'' از سگمنڈ فرائیڈ (ترجمہ)، *ABC of Psychology*، ''انگریزی اُردو ڈکشنری'' اور ٹیکسٹ بک برائے انٹرمیڈیٹ (پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ) شامل ہیں۔

۷۔ گورنمنٹ کالج، اٹک میں ریاضی کے ہردل عزیز استاد اور پرنسپل۔ محمد افضل ۱۳/اپریل ۱۹۳۰ء کو کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ گرامی کا نام میاں قادر بخش تھا۔ رندھیر ہائی اسکول اور رندھیر کالج، کپورتھلہ سے میٹرک اور ایف اے تک تعلیم پائی۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج سے بی اے اور ایم اے ریاضی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اعلا تعلیمی نتائج پر رول آف آنر کے حق دار ٹھہرے۔ پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے ۲۶/ستمبر ۱۹۵۵ء میں ملازمت آغاز کی۔ ابتدا میں دو تین سال زمین دار کالج، گجرات اور گورنمنٹ کالج میاں والی میں ریاضیات کے استاد رہے۔ ۱۹۵۶ء میں گورنمنٹ کالج کیمبل پور [موجودہ: اٹک] میں تبادلہ ہوا اور پھر سبک دوشی تک یہیں خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۸۶ء تک ہاسٹل کے وارڈن کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے۔ ۱۲/اپریل ۱۹۹۰ء میں بہ حیثیت پرنسپل ملازمت سے سبک دوش ہوئے۔ چند سال پہلے لاہور میں انتقال ہوا۔

۸۔ عارف رضا مراد ہیں۔ یہ منیر احمد شیخ کے قریبی دوستوں میں شامل تھے۔ عارف رضا ۱۳/ستمبر ۱۹۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج، اٹک میں نفسیات کے اُستاد رہے۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج، فیصل آباد میں شعبۂ نفسیات کے صدر کی حیثیت سے فرائض انجام دیے، اسی کالج سے سبک دوش ہوئے۔ مجلسِ اقبال، فیصل آباد اور پاکستان پروفیسرز ایسوسی ایشن کے صدر بھی رہے۔ ''عطا کی خوشبو'' اور ''ثنا کی خوشبو'' کے عنوانات سے ان کے دو نعتیہ مجموعے منظرِ اشاعت پر جلوہ گر ہوئے۔ ان کا انتقال ۱۵/اگست ۲۰۱۸ء میں فیصل آباد میں ہوا۔

۹۔ ''غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان'' مرتبہ نذر صابری۔ زمان و مکان کے موضوع پر یہ مختصر سا فارسی رسالہ اہلِ علم کے نزدیک نہایت وقعت کا حامل ہے۔ علامہ اقبال نے اسے عراقی کی تصنیف کہا، بعض علما نے بہ دلائل عین القضاۃ ہمدانی کی تصنیف لکھا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ پروفیسر لطیف اللہ نے کراچی سے شائع کیا۔ نذر صابری کی تحقیق کے مطابق یہ رسالہ شیخ تاج الدین محمود اشنوی کی تصنیفِ لطیف ہے۔ نذر صابری نے پہلی بار شیخ تاج الدین محمود اشنوی کے نام کے ساتھ اس رسالے کو مجلسِ نوادراتِ علمیہ، کیمبل پور سے ۱۲/ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ کو شائع کیا۔

۱۰۔ اُردو تحقیق کا ایک اہم ستون۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی ۲۵/فروری ۱۹۸۱ء کو رام پور میں واصل بہ حق ہوئے۔

۱۱۔ نذر صابری، خدا بخش لائبریری، بانکی پور پٹنہ میں موجود ''غایۃ الامکان فی معرفۃ الزمان والمکان'' کے قلمی نسخے کے طالب تھے۔ کوششِ پیہم کے باعث وہ بعد میں اس نسخے کی مائیکروفلم حاصل کرنے میں کام یاب ہو گئے۔

۱۲۔ صابری صاحب کا نامِ نامی غلام محمد ہے۔ منیر احمد شیخ نے سہواً غلام احمد لکھا۔

۱۳۔ مجموعے کا درست نام ''پارۂ از رسائل شاہ نعمت اللہ ولی'' ہے اور اس کے مرتب حاجی مرزا عبدالحسین ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۳۱۱ھ میں مطبعِ ارمغان، تہران سے شائع ہوا۔

۱۴۔ اٹک کے شاعر اور معروف وکیل۔ظہیر احمد خان ظہیر کا تعلق ڈھوک شرفا ضلع اٹک کے معزز کھٹڑ گھرانے سے ہے۔گورنمنٹ کالج، اٹک سے بی اے اور پنجاب یونی ورسٹی لا کالج، لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔آپ کے دادا سردار محمد اکبر خان کا شمار اپنے عہد کے ممتاز افراد میں ہوتا ہے۔ان کے مولانا ابوالکلام، مولانا مودودی اور دوسرے علماے وقت کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے۔ظہیر احمد خان ظہیر نے ۱۹۶۲ء میں اپنے دادا کے نام مولانا ابوالکلام کے خطوط کو ''نوادرِ ابوالکلام'' کے نام سے شائع کیا۔ظہیر خان کا اپنا کلام ہنوز محرمِ اشاعت کو ترستا ہے۔

۱۵۔ منیر احمد شیخ نے سہواً عظیم بھٹی کے بجائے عزیز بھٹی لکھ دیا ہے۔اٹک کے معروف شاعر، ادیب اور محقق۔محمد عظیم بھٹی یکم دسمبر ۱۹۳۶ء کو شینھ باغ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔گورنمنٹ کالج، اٹک سے گریجویشن اور جامعۂ پشاور سے ایم اے (اُردو) کی تکمیل کے بعد قومی ادارہ براے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد میں ملازم ہو گئے۔اسی ادارے سے بہ حیثیت سینیر اُردو افسر سبک دوش ہوئے۔۲۶ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو وفات پائی۔

۱۶۔ نذر صابری نے محفلِ شعر وادب، اٹک کے زیر اہتمام منیر احمد شیخ کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا۔منیر احمد شیخ بہ وجوہ اس تقریب میں شریک نہ ہو سکے۔اُن کی وفات [۱۹۹۰ء] کے بعد محفلِ شعر وادب کے زیرِ اہتمام اُن کا تعزیتی ریفرنس ۲ر جون ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوا۔ بعد ازاں ۶ر مارچ ۱۹۹۱ء کو اُن کی یاد میں ایک تقریب بھی منعقد کی گئی۔

۱۷۔ گورنمنٹ کالج کے استاد اور پرنسپل محمد افضل کی ریٹائرمنٹ پر محفلِ شعر وادب، اٹک کے زیرِ اہتمام ایک تقریب منعقد کی گئی۔پروفیسر محمد افضل چوں کہ منیر احمد شیخ کے پرانے دوستوں میں سے تھے، اس لیے نذر صابری انھیں اس اجلاس میں بُلانا چاہتے تھے، انھوں نے وعدہ بھی کر لیا تھا مگر شریکِ اجلاس نہ ہو سکے اور اسی سال ۲۸ر مئی کو وہ راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔

مآخذ

۱۔ سلیچ، ڈاکٹر محمد منیر احمد،''بُجھتے چلے جاتے ہیں چراغ''، لاہور:قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، ۲۰۱۸ء۔

۲۔ صابری، نذر(مرتب)،''غایۃ الامکان فی معرفتہ الزمان والمکان''، اٹک: مجلسِ نوادراتِ علمیہ، ۱۲ر ربیع الاوّل ۱۴۰۱ھ۔

۳۔ ______،''رودادِ محفلِ شعر وادب'' (دفترِ ششم)، غیر مطبوعہ: مملوکہ ارشد محمود ناشاد۔

۴۔ ______،''اداس لمحوں کی یادیں''، اٹک: محفلِ شعر وادب، فروری ۲۰۱۳ء۔

۵۔ ناشاد، ارشد محمود،''اٹک کے اہلِ قلم''، اٹک: پنجابی ادبی سنگت، ۲۰۰۰ء۔